دورہ افریقہ کے حالات۔خلیفہ کے خطبات اورآواز کو براہ راست لوگوں تک پہنچائیں اسی میں برکت ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ رفروری ۱۹۸۸ء بمقام بیت النورنن سپیٹ ہالینڈ)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

گزشتہ ایک ماہ سے چند دن زائد مجھے افریقہ کے دورے کی توفیق ملی ہے۔یعنی سارے افریقہ کی تو نہیں مگر چھ مغربی افریقہ کے ممالک کی اور اس دورے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے بہت فائدہ پہنچا اور بہت سے ایسے تجارب ہوئے جن کا حقیقی علم رپورٹوں کے ذریعہ سے نہیں حاصل ہوسکتا تھا۔جب تک انسان تجربے میں خود نہ گزرے اپنی آنکھوں سے حالات کا مقابلہ جب تک نہ کرے اس وقت تک خواہ رپورٹیں کیسی ہی عمدہ اور کیسی ہی تفصیلی کیوں نہ ہوں ہرگز ویسا فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا۔چنانچہ بہت سے امور میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نئی راہنمائی حاصل ہوئی اور بہت سے تجربوں سے بعض خامیوں کا علم بھی ہوا،افریقہ میں بسنے والی قوموں کی خاص خوبیوں کی طرف بھی روشنی ملی جن کے متعلق پہلے دور بیٹھ کر اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔

اگر چہ یہ دورہ تقریباً ایک ماہ چند دن کا تھا لیکن اس کے نتیجے میں جو کام پیدا ہوئے ہیں اور جو نئے منصوبے ابھرے ہیں ان پر عمل درآمد کروانے کے لیے مہینوں درکار ہوں گے اور جیسا کہ میں نے نائیجیریا میں آخری دورے کے وقت جماعت کو ہدایت کی تھی کہ اصل میں تو کام کا آغاز اب ہو گا۔جب دورہ ختم ہورہا ہے اور اس دوران بہت سی ہدایات جو مختلف افریقہ کے ممالک کو دیں ہیں ان

کو تمام افریقہ کے ممالک تک کیسٹس کی صورت میں پہنچانا، پھر ان کا ان سب باتوں کو سننا اور ان سے راہنمائی حاصل کر کے آئندہ کے لیے منصوبے بنانا بہت زیادہ اتنا کام ہے کہ جو میں پیچھے چھوڑ کے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو توفیق بخشے کہ اس دورے سے ہر لحاظ سے استفادہ کر سکے لیکن جو کام پیچھے چھوڑ کے آیا ہوں اتنا ہی کام ساتھ بھی لے کے آیا ہوں یعنی مرکزی جماعت کے عہدیداروں کے لیے بہت سے ایسے کام پڑے ہیں جن کو مہینوں کی محنت کے بعد سمیٹا جاسکتا ہے۔

جو تجارب ہوئے ان میں ایک افسوسناک پہلو جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ جماعتوں تک حقیقت میں خطبات کے مضمون کو نہیں پہنچایا جا رہا۔ رپورٹوں سے اتنا تو معلوم ہوتا رہا کہ بعض مربیان نے لکھا کہ ہم خطبات کا خلاصہ جماعت تک پہنچا رہے ہیں لیکن دورے کے دوران جو مجالس ہوئی ہیں سوال وجواب کی ان سے یہ اندازہ ہوا کہ نہ صرف یہ کہ خطبات کے مضامین سے پوری طرح ساری جماعت کو آگاہ نہیں رکھا گیا بلکہ مختلف مضامین پر جو سوال و جواب کی مجالس لگتی رہی ہیں۔ ان میں بہت سے اہم سوالات کے جوابات دیئے جاتے رہے ہیں اور بار بار مختلف رنگ میں ان پر روشنی ڈالی جاچکی ہے ان امور کا بھی جماعت کی اکثریت کو علم نہیں تھا۔ چنانچہ اکثر مجالس میں وہ تمام سوالات دوبارہ ہوئے جن پر پہلے روشنی ڈالی جاچکی ہے ان تمام امور میں انہوں نے راہنمائی طلب کی جن کے اوپر خطبات میں بکثرت روشنی ڈالی جاچکی ہے، اور اس کا بڑا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ گزشتہ چند سال سے بعض خطبات تو وقتی نوعیت کے تھے یعنی وقتی ضرورتوں سے تعلق رکھنے والے لیکن بہت سے خطبات ایسے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ایک منصوبے کے تحت مجھے خطبات دینے کی توفیق بخشی اور آئندہ صدی کی تیاری سے تعلق رکھنے والے خطبات تھے اور مسلسل ایک ایسا خطبے کے بعد خطبہ مضمون وار چلتا رہا جس کے نتیجے میں تمام عالم کی جماعتوں کو یکجہتی عطا کرنے کے لحاظ سے بہت ہی ان خطبات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا اور مقصد بھی ان کا یہی تھا کہ ہم جوامت واحدہ کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں وہ ساری جماعت آئندہ صدی میں داخل ہونے سے پہلے خود عملاً ایک امت واحدہ بن چکی ہو اپنے نظریات کے لحاظ سے، اپنے کردار کے لحاظ سے، اپنی سوچوں کے نہج کے لحاظ سے، طرز فکر، طرز زندگی کے لحاظ سے، ہر پہلو سے اسلام نے اس تفصیل سے تعلیم عطا فرمائی ہے کہ اگر اس ساری تعلیم کو ملحوظ رکھا جائے تو دنیا کے کسی کونے میں بھی کوئی احمدی مسلمان بستا ہو اس کا کردار بعینہ ویسا ہوسکتا ہے جو دنیا کے کسی

دوسرے کونے میں بسنے والے احمدی کا ہوگا اور اس پہلو سے یورپ اور افریقہ اور مشرق کے درمیان کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ اگر یہ فرق باقی رہ جائیں تو اسلام کی عالمی تعلیم عملاً ہمارے کردار میں ظاہر نہیں ہوگی اور جس خدائے واحد کی ہم پرستش کرتے ہیں اس کا پرتو ہماری زندگی پر ایسا یکسانیت سے نہیں پڑے گا کہ اس کے نتیجے میں ہم زمین پر خدا کی توحید کو ظاہر کرنے والے ہوں اور امت واحدہ بن کر خدا کی توحید کو عملاً دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہوں۔ یہ وہ مقصد تھا جس کے پیش نظر وہ خطبات دیئے گئے لیکن ان میں بھی مجھے محسوس ہوا الاّ ماشاءاللہ بعض مربیان اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور جماعت کی تربیت بھی انہوں نے بہت اچھی کی ہے لیکن اکثر حصوں میں یہ خلا محسوس ہوا اور یہ خلا یورپ میں بھی موجود ہے کئی جگہ اور زبان کی دقت اس کام کی راہ میں حائل ہوتی رہی ہے۔ یعنی اچھا ترجمہ کرنے والے ساتھ ساتھ خطبات کا ترجمہ کر کے ساری جماعت کو پہنچائیں ان کا یہاں فقدان ہے یا کمی ہے لیکن جہاں تک افریقہ کا تعلق ہے وہاں یہ روک بہر حال نہیں ہے کیونکہ میں نے دنیا میں ایسا اچھا ترجمہ کرنے والے کہیں نہیں دیکھے جیسا افریقن لوگ ترجمہ کرنے کی مہارت رکھتے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ نے ان کو ایسی اعلیٰ ذہنی استعدادیں بخشی ہیں کہ بعض دفعہ مسلسل تیس تیس چالیس چالیس منٹ تک بغیر روک کے ایک مضمون بیان کیا گیا اور ترجمہ کرنے والے نے مسلسل بغیر کسی روک کے اور بغیر کسی تعطل کے درمیان میں خلا ڈالے بغیر وہ ترجمے کو اسی طرز پہ بیان کیا ہے، اسی طرح جذبات کے ساتھ ابھرتا بھی تھا، پھر ہلکی آواز جہاں ہونی چاہئے تھی وہاں ہلکی آواز اختیار کرتا تھا۔ اس کے جسم کی حرکتیں اس کے انداز سارے بتاتے تھے کہ وہ مضمون میں ڈوب کر مضمون کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور ایسی اعلیٰ جو خدا تعالیٰ نے انکو قابلیت عطا کی ہے شاید ہی دنیا کے کسی کونے میں اس کثرت کے ساتھ کسی کو عطا ہوئی ہو۔ معمولی معلمین جن کا زیادہ علم نہیں تھا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایسی اچھی ترجمانی کرتے تھے کہ باہر میں نے دیکھا ہے کہ بڑے بڑے علماء بھی ایسی ترجمانی نہیں کر سکتے۔ خود ہمارے مبلغین بھی یہاں خود ترجمانی کی کوشش کرتے تھے بعض ان میں سے بہت اچھے بھی تھے لیکن ویسا رنگ پیدا نہیں ہو سکا جیسا عام معلمین مقامی لوگ اپنی زبانوں میں ترجمانی کرتے ہیں اور وہاں زبانیں بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں اور ہر زبان میں خطبات کا اور بنیادی امور پر روشنی ڈالنے والی مجالس کی کارگزاری کا ترجمہ ہونا چاہئے اور یہ سب مواد وہاں موجود

ہے اور ایسے لوگ موجود ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو جامعہ میں پڑھ کر ہمارے مبلغین وہاں گئے ہیں وہ اردو سے براہ راست بہت اچھا ترجمہ کر سکتے ہیں۔اس لیے یہ عذر کہ ترجمہ کرنے کے لیے ہمارے پاس سامان نہیں تھا یہ عذر تو قابل قبول نہیں ہے۔

دوسرے وہاں کی جماعتوں کے سامنے جو براہ راست باتیں ہوئیں اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ اثر کو بہت زیادہ قبول کرنے والے ہیں اور جن امور پر بات انہیں سمجھ آجائے اس پر اس قدر بشاشت سے کھل اٹھتے ہیں اور خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں کہ اتنی روشن دماغ قوم خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں موجود ہے۔میں یہ تو نہیں کہتا کہ Unique ہے دنیا میں اچھی اور قومیں نہیں ہوں گی لیکن روشن دماغی کے لحاظ سے دنیا کی صف اول کی قوموں میں وہ لوگ شمار ہو سکتے ہیں۔جانے سے پہلے جو تاثر دیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ افریقہ گویا ایک تاریک براعظم ہے اور بڑی جہالت ہے اور اس لحاظ سے شاید مجھے بات بیان کرنی ان تک پہنچانی مشکل ہو جائے لیکن میں نے تو وہاں بڑی روشنی دیکھی ہے۔احمدیوں میں بھی اور غیر احمدیوں میں بھی، عام مسلمانوں میں بھی اور عیسائیوں میں بھی ہر لحاظ سے خدا تعالیٰ نے اس قوم کو روشن دماغ بنایا ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کھلے ہیں دماغ کے تعصّبات ہوں بھی تو دلیل سننے کے بعد وہ تعصّبات فوراً دھول کی طرح اڑ جاتے ہیں بہت جلدی تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔اتنا زیادہ کام کا موقع وہاں موجود ہے اور اس تیزی سے اسلام کا نور پھیلانے کے مواقع موجود ہیں کہ شاید ہی دنیا میں کہیں اور ہوں۔اگر ان لوگوں تک مثلاً گزشتہ دو، تین سال کے خطبے ترتیب کے ساتھ باقاعدہ پہنچائے جاتے تو اس وقت تک ان کی حالت اور ہوتی۔اس ایک مہینے کے اندر اندر ہی اللہ کے فضل سے ان میں اتنی بیداری پیدا ہوئی ہے، اتنی نمایاں روحانی تبدیلی نظر آئی ہے اور بات کو جذب کر کے فوراً اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کے لحاظ سے وہ **سمعنا و اطعنا** کا عجیب نمونہ ہیں۔اس سے میں سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو ہمیں مواقع عطا فرمائے ہیں اگر ہم ان سے پورا استفادہ کریں تو عظیم الشان انقلاب کے لیے افریقہ میں احمدیت قائم کی جاسکتی ہیں۔اس پہلو سے جب میں نے وہاں جامعہ وغیرہ کا جائزہ لیا تو وہاں بھی علمی لحاظ سے ہمیں کمزوری دکھائی دی جیسا جامعہ کا سٹاف یا عملہ ربوہ میں موجود ہے اس کے عشر عشیر بھی ہم انہیں سر دست علماء وہاں مہیا نہیں کر سکے اور جن حالات میں جامعہ احمدیہ مختلف ممالک میں جاری ہیں بنیادی سہولتوں کے لحاظ سے بھی

بہت ہی زیادہ کمی ہے اور بعض دفعہ تو تکلیف ہوتی تھی کہ معمولی ادنیٰ ضرورتیں بھی ان کی پوری نہیں ہوئیں۔اس کے باوجود ان کے طلباء میں حیرت انگیز صبر ہے، ڈسپلن ہے، اطاعت کی روح ہے۔بعض جگہیں میں نے دیکھی جہاں ہوسٹل کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر پاکستان یا کسی اور قوم کے لوگ ہوتے تو بغاوت کھڑی ہو جاتی وہاں۔اگر ظاہری بغاوت نہیں تو کم سے کم شدید نکتہ چینیاں اور اعتراضات کا سلسلہ شروع ہو جاتا لیکن وہ لوگ صبر کا پیکر بنے ہوئے خاموشی کے ساتھ ان حالات کو برداشت کر رہے ہیں اور جب میں نے جائزہ لیا اور تفصیل سے دیکھا تو اس وقت بھی زبان پر ایک لفظ بھی وہ شکوہ کا نہیں لے کے آئے اور جب میں نے انہیں بتایا کہ ہم لوگ یہ کریں گے اس وقت ان کے چہرے پر جو اطمینان تھا وہ دیکھنے کے لائق تھا وہ سمجھتے تھے کہ ہم میں یہ ایک خدا داد چیز ہے ہم حقدار تو نہیں ہیں گویا لیکن اللہ کی رحمت ہے کہ یہ چیزیں بھی ہمیں مل جائیں گی۔ایسی صبر اور شکر کرنے والی قوم کے ساتھ بہت زیادہ حسن سلوک ہونا چاہئے،ان تمام امور کے علاوہ بے شمار ایسے امور ہیں جن پر پہلے نظر نہیں تھی۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو نمایاں کر کے سامنے کیا اور ترقی کے بہت سے نئے امکانات روشن ہوئے جو دورے کے بغیر ممکن نہیں تھا کہ وہ سامنے آتے۔

اس وقت خصوصیت کے ساتھ میں خطبات کے ترجمے اور کیسٹس کے نظام کو عام کرنے کے متعلق جماعت کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ درست ہے کہ جماعت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے بڑے علماء ہیں جو دنیاوی علوم کے لحاظ سے یا دینی علوم میں، کلاسیکل علوم کے لحاظ سے ان کو ظاہری علوم کہا جاتا ہے وہ مجھ سے بہت زیادہ ہوں گے اور ہیں اس کا مجھے علم ہے بعض ہمارے اساتذہ ہیں جامعہ کے بعض اور پروفیسرز ہیں اسی طرح سلسلے کے اور تجربہ کار مربیان ہیں جنہوں نے بہت گہرا علم حاصل کیا ہے اور علمی حد تک میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان کے مقابل پہ علم رکھتا ہوں لیکن اس کے باوجود خدا تعالیٰ کا خلافت سے ایک تعلق ہے اور علوم کی روح سے اللہ تعالیٰ خلفاء کو آگاہ کرتا ہے اور جماعت کی زمانے کے لحاظ سے ضروریات سے خلفاء کو متنبہ کرتا ہے۔ خلفاء کی نظر ساری عالمی ضروریات پر ہوتی ہے اور جن علوم کی تفسیر کی ضرورت پڑے جیسی روشنی خدا تعالیٰ خود اپنے خلفاء کو عطا فرماتا ہے ویسی ایک علم میں خواہ کسی مقام کا رکھنے والا عالم ہو اس کو اپنے کسبی طور پہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ یہ وھبت ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس میں کوئی کوشش یا جدوجہد کا دخل نہیں نہ حقداری کا دعویٰ

ہے بلکہ اللہ کو اپنے دین کی ضرورتوں کا بہترین علم ہے اور جن کے سپرد وہ کام کرتا ہے ان پر وہ ضرورتیں روشن فرماتا ہے۔

اس پہلو سے میں نے بہت زور دیا تھا کہ خطبات کو تمام تر دوستوں تک پہنچانا چاہئے۔ پھر ایک اور بات بڑی اہم یہ ہے کہ جماعت کا جو ذاتی تعلق خلیفہ وقت سے ہوتا ہے اور خلیفۂ وقت کو جو گہری محبت اپنی جماعت سے ہے اس کا کوئی دوسرا عالم دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا کہ وہ رشتہ ہے کیا؟ اس قدر گہرا محبت اور پیار کا رشتہ ہے کہ خونی رشتوں میں اس کی مثال نہیں ملتی اور ایسی فدائیت ہے دوسری طرف سے بھی جماعت کی طرف سے بھی کہ اس کا کوئی نظارہ اور جگہ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اس لئے علماء اگر ظاہری علم میں بیشک مجھ سے بہتر ہوں لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ ان کی باتوں میں زیادہ اثر ہوگا بہ نسبت میری باتوں کے یا جو باتیں میں جماعت کو سمجھا سکتا ہوں وہ Reflect کرسکتے ہیں اور از خود وہ ویسی باتیں اس سے بہتر رنگ میں سمجھا سکتے ہیں۔

چنانچہ افریقہ میں اس بات کا تجربہ ہوا بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق وہاں تشنگی تھی۔ روزمرہ کے عام مسائل ہیں علماء ان پہ روشنی ڈالتے رہے ہیں ان کے پاس کتابیں بھی مہیا ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ علماء نے اس پر روشنی نہیں ڈالی لیکن بہرحال سوالات کے جوابات دیئے ہیں لیکن تشنگی باقی رہی۔ جب میں نے اپنے رنگ میں ان کو سمجھایا تو ان کے چہرے کے آثار بتاتے تھے کہ ایک دم گویا کایا پلٹ گئی ہے ان کے دل کی اور بعض دفعہ وہ بے اختیار ہو کے وہ نعرہ تکبیر بلند کرتے تھے کہ اب ہمیں بات کی سمجھ آئی ہے۔ جن ممالک میں ایسے سوالات جو تشنہ رہ گئے وہ رفتہ رفتہ اس رنگ میں دیکھے جانے لگے کہ گویا وہ معترض ہیں۔ ان ممالک میں جب میں نے مسائل پر روشنی ڈالی تو معلوم ہوا کہ ہرگز وہ لوگ معترض نہیں۔ اس بات کی سمجھ نہیں آرہی تھی اور وہ سادہ ذہن لوگ ہیں اور صاف گو لوگ ہیں، مربیوں سے، مبلغین سے وہ سوال کرتے تھے اور مجبوراً ان کا جواب دیتے تھے لیکن دلوں کو مطمئن کرنے والے جواب نہیں دے سکتے تھے نتیجۃً وہ سوال کرتے رہتے تھے اور ان کی تصویر یہاں مرکز میں یہ پیش کی جاتی تھی کہ گویا وہ بڑے معترض ہیں اور ان کے دل میں پورا اطمینان نہیں خلافت سے وابستگی نہیں۔ اس قسم کے مسائل میں ان کی سوچ ٹیڑھی ہے، بالکل جھوٹ اور بالکل بے بنیاد بات تھی۔ چنانچہ جن لوگوں کو معترض بنا کر پیش کیا جاتا تھا جب میں ان سے ملا ہوں اور چند

دن ان کے ساتھ صحبت رہی تو میں نے دیکھا کے وہ انتہائی فدائی اور عاشق سلسلہ ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ ایسا سلوک ان سے کیا گیا منافق بنا کر کہ اگر کسی اور قوم کے لوگ ہوتے تو شاید وہ مرتد ہو جاتے، بھاگ جاتے اس جگہ کو چھوڑ کر یا جماعت کے ساتھ تعلق میں کمی پیدا کر دیتے لیکن مسلسل سر جھکا کے انہوں نے امیروں کی اطاعت کی ہے اور مبلغین کی باتوں پر سر تسلیم خم کیا ہے۔ کہیں بھی کوئی باغیانہ روش اختیار نہیں کی لیکن جو بات سمجھ نہیں آئی وہ پوچھے گا انسان۔ اگر نہیں پوچھے گا تو بیماری گھن بن جائے گی اس لئے اُن کی صاف گوئی کو بدقسمتی سے منافقت سمجھا گیا یا ایک معترض کی عادت بنا دیا گیا کہ گویا ایک معترض ہے اُس کو عادت ہے ہر بات پہ اعتراض کرنے کی، تو اُس سے مجھے جس بات کی شہادت ملی کہ خدا تعالیٰ خلیفہ وقت کو جس طرح بات سمجھانے کی توفیق عطا فرماتا ہے غیب کے علم سے یہ توفیق مل سکتی ہے اور پھر اُس محبت اور تعلق کی وجہ سے جو میں نے بیان کیا ہے بات سمجھنے کے لیے بہتر ماحول پیدا ہو جاتا ہے ایک ہی بات اگر ایسے رنگ میں کی جائے یا ایسی حالت میں کی جائے کہ جو بات سننے والا ہے اُس کو گہری محبت نہیں ہے۔ تو اُس بات کا ویسا اثر نہیں پڑ سکتا اگر غیریت ہو بیچ میں تو اور بھی زیادہ وہ بات اثر میں کمزور ہو جائے گی۔ اگر بدظنی پیدا ہو جائے تو وہی بات بالکل بے اثر ہو جائے گی بلکہ بسا اوقات الٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ اس لیے بعض علماء یہ نہیں سمجھتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو خلاصہ پیش کر دیا ہے وہی کافی تھا۔ اتنی لمبی باتیں کرنے کی کیا ضرورت ہے اور علم کے لحاظ سے ہم کسی لحاظ سے کم نہیں ہیں ہم خود یہ باتیں بیان کر سکتے ہیں۔ اُن کو اس بات کا تصور بھی نہیں ہے کہ خلیفہ وقت کو وہ Rotate نہیں کر سکتے۔ **جماعت کی زندگی کی روح خلافت میں ہے** اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا خاص سایہ ہے اس منصب پر اسی لیے ایک آدمی خواہ میرے جیسا لاعلم ہو، حقیر ہو اس سے بحث نہیں ہے منصب خلافت کو خدا تعالیٰ نے ایک برکت بخشی ہے اور اُس کے ساتھ جماعت کا ایک ایسا تعلق پیدا کیا ہے کہ وہ لا مثال ہے ساری دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اس لئے علم کافی نہیں ہے اُس کے لیے کہ وہ اُس کو Replace کر سکے اُس کی جگہ لے سکے تو بعض مبلغین کو میں نے دیکھا ہے وہ بے توجگی کی وجہ سے شاید یہ کمزوری دکھا رہے تھے، یا دکھا رہے ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے متعلق میں نے یہ ہدایت جاری کی کہ کچھ عرصہ پہلے کے دنیا میں جتنے بھی جامعہ ہیں ان میں ایک گھنٹہ با قاعدہ لیکچر کا رکھا جائے جس میں میری وہ کیسٹس ان کو سنوائی جائیں جو مختلف مسائل میں سوال

و جواب کی مجالس میں تیار کی گئی ہیں اور جس طرح میں چاہتا ہوں مسائل دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں اسی طرح وہ ہمارے طلباء تیار ہوں اور وہی زبان سیکھیں، وہی طرز اختیار کریں۔ اُس میں بھی پوری توجہ نہیں دی گئی بلکہ مجھے ایک جامعہ کے پرنسپل صاحب کی طرف سے اطلاع ملی کہ خطبات تو طلباء سنتے ہی ہیں اب آپ کی ہدایت مل گئی ہے تو ہم کلاس میں سنوانا شروع کر دیں گے۔ گویا بڑا احسان ہو گیا وہ سمجھتے ہیں کہ شاید مجھے شوق ہے کہ میرے خطبے پڑھے جائیں نعوذباللہ من ذالک میرے تصور میں بھی ایسی کوئی بات نہیں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ خدا نے جماعت کی ذمّہ داری مجھ پر ڈالی ہے۔ اس لیے جو جس رنگ میں میں تربیت کرنا چاہتا ہوں اسی رنگ میں ہونی چاہئے۔ جب خدا میرے بعد کسی اور کو خلیفہ بنائے گا تو پھر اُس کے اوپر ذمّہ داری ہو گی لیکن علماء کا یہ کام نہیں ہے خواہ کتنے بڑے پروفیسر ہوں کہ وہ ساری ذمّہ داری اپنے اوپر لے لیں۔ جتنی ذمّہ داری اُن پر ڈالی ہے وہ ادا کریں۔ لیکن جب میں چاہتا ہوں کہ براہ راست جماعت کی تربیت کروں بیچ میں کوئی دوسرا نہ پڑے اور خدا تعالیٰ نے اس زمانے میں یہ انتظام مجھے فرما دیا ہے تو کسی کا کوئی حق نہیں کہ بیچ میں روک پڑے اور جہاں تک علمی درسوں کا تعلق ہے ایک ہی دلیل کو مختلف رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسے علماء میں جانتا ہوں جن کو بہت ٹھوس علم ہے، بڑے حوالے یاد ہیں لیکن وہ منہ تو بند کرا سکتے ہیں دل نہیں جیت سکتے۔ اُن کی طرز میں خشکی ہے۔ خالی علم تو کبھی دنیا میں انقلاب برپا نہیں کیا کرتا۔ کس رنگ میں بات کرنی ہے یہ بہت ہی اہم بات ہے۔ دلیلیں ہرگز کافی نہیں ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے۔ دلیل کے ساتھ دل جیتنے کا انداز چاہئے، ایسا انداز چاہئے کہ بات سمجھانے کی جان توڑ کے کوشش کی جائے نہ کہ منہ بند کرانے کی۔ اس لیے وہ سارے علوم جو دنیا میں ویسے ہی موجود ہیں تخیلی طور پہ بھی موجود ہیں اور ذہنوں میں بھی حفظ ہیں وہ کافی نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ایک علم کلام بخشا کرتا ہے اُن لوگوں کو جن پر ذمّہ داریاں ڈالتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلام دیکھیں وہی دلائل ہیں جو آج آپ بھی پیش کر سکتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس رنگ میں پیش فرمائے ہیں آج تک اُن کی قوت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ تحریر ہی اور ہے، وہ زبان ہی اور ہے اور سارا زور اُس میں دل جیتنے پر اور عقلوں کو سمجھانے اور قائل کرنے پر ہے۔ ہر رنگ میں آپ نے

بات بیان کی ہے جیسا کے خود فرمایا

اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

تو ڈھب خدا عطا کیا کرتا ہے وہ علم سے نہیں آیا کرتے۔ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اپنے خلافت سے پہلے کے زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور میرے طرز کلام میں فرق ہے۔میں عالم ہوں میں جانتا ہوں دینی علوم کو اور میں تو اسلام پر جو اعتراض کرتا ہے دو قدم نہیں چلنے دیتا اُس کا منہ بند کرتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام وہی بات اتنے طریقوں سے بیان کرتے ہیں کہ شاید اس رنگ میں وہ سمجھ جائے شاید اُس رنگ میں کوئی سمجھ جائے۔منہ بند کرنے کے لیے نہیں بلکہ عقلوں کو پوری طرح مغلوب کرنے کے لیے بات کرتے ہیں۔اس لئے آپ دیکھیں گے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں بعض دفعہ لمبے چکر ہوتے ہیں، لمبے رستے اختیار کیے جاتے ہیں بات سمجھانے کے لیے لیکن اُن لمبے رستوں کو اختیار کرنے کے بعد مخاطب پوری طرح گھیرے میں آجاتا ہے۔کوئی اُس کے پاس جواز نہیں رہتا پھر کہ دیانت پر قائم رہتے ہوئے اُس مضمون کو سمجھنے سے انکار کر دے۔یہ ایک طرز کلام ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلام چودہ سو سال میں قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے بعد ایک انقلابی علم کلام ہے۔اُس کی کوئی مثال آپ کو پہلے علم کلام میں دکھائی نہیں دے گی۔تو اُسی طرح خدا تعالیٰ خلفاء کو بھی وقت کی ضرورتوں کے مطابق ایک علم کلام بخشتا ہے۔چنانچہ اس نیت سے جو تجربۃً میں نے دیکھا ہے بڑی بڑی مشکلوں میں متعصّب لوگ بھی سامنے آئے۔جب پیار سے، محبت سے، تفصیل سے بات سمجھا کر اُن کو بتائی گئی تو اُن کے چہرے بدل گئے بالکل۔اس افریقہ کے دورے میں بھی یہ ہوتا رہا ہے بلکہ بعض لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا کہ اتنی جلدی ایسی تبدیلی پیدا ہوئی ہے کہ ہم بیان بھی نہیں کر سکتے تھے۔میں چاہتا تھا کہ اس طرز پر احمدی مبلغین کی تربیت ہو اور وہ سوال و جواب جو مختلف موضوعات سے تعلق رکھتے ہیں۔اُن کو باقاعدہ ایک گھنٹے کے طور پر پڑھائے جائیں۔لیکن بعض اساتذہ سمجھتے ہیں کہ اساتذہ کا تو حق ہے کہ وہ جس طرح سمجھیں خود علم دیں خلیفہ وقت کا حق نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان میں طلباء کو پڑھا سکے۔گویا کہ یہ اُس کی انانیت ہے یا اُس کی نفس پرستی ہے نعوذ باللہ من ذالك۔ان لفظوں میں تو وہ نہیں کہتے لیکن جس رنگ میں

ملائمت سے بات کرتے ہیں اُس کا آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ بعض مبلغین اپنی سستی کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے کوئی انانیت نہیں، کوئی علم کا زعم نہیں ہے لیکن سستی کر رہے ہیں۔ اُن کو پتا نہیں کہ وہ جماعت کو محروم رکھ رہے ہیں۔ چنانچہ افریقہ کے دورے کے بعد مجھے اور بھی زیادہ شدت سے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ بات کے مرکزی نکتے پہنچا دو حالانکہ بات کے مرکزی نکتے اُس لباس میں لپیٹ کے جب تک نہ پہنچائے جائیں جو اُن کے لیے موزوں ہے اُس وقت تک وہ اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ ایک ہی بات کہی جاتی ہے سچ بولو۔ ہر مقرر، ہر خطیب اٹھ کر یہ ہی صرف کیوں نہیں کہہ دیتا کہ سچ بولو وہ سچ بلوانے کے لیے کئی جتن اختیار کرتا ہے، محنت کرتا ہے، سوچتا ہے کہ کس بات کا اثر زیادہ پڑے گا، کس بات سے سچ کی محبت پیدا ہوگی، کس طرح جھوٹ کو زائل کرنے کے لیے، اُس سے نفرت پیدا کرنے کے لیے مضمون کو سجا کر بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں یہ چیزیں زوائد ہیں اور بنیادی بات پہنچ گئی بس ٹھیک ہے سچ بولو، سچ بولیں گے لوگ۔ قرآن کریم میں لکھا ہوا ہے سچ بولو آپ کے کہنے کی پھر کیا ضرورت ہے۔ اُس سے پہلے سارے انبیاء یہی کہتے آئے ہیں کہ سچ بولو جس طرح رسول کریم ﷺ نے سچ بلوایا ہے قرآن کریم کی تفسیر میں ایک نمونہ دکھایا پھر بڑے پیار سے بڑی محبت سے لوگوں کو سمجھایا اُس کا اثر بالکل اور تھا۔ اسی طرح وقت کے لحاظ سے سچائی ہر قسم کے نئے ابتلاؤں میں سے گزرتی ہے۔ زمانے کے اثرات ہوتے ہیں اُسی خوبی پر جو پہلے کئی ابتلاؤں سے گزر کے، بچ کے یہاں تک پہنچی ہوتی ہے یا قریب المرگ ہو جاتی ہے اُس وقت۔ اُس وقت خدا جن لوگوں کے سپرد کام کرتا ہے پھر اُن کو سمجھاتا ہے کہ اس خوبی کو زندہ کرنے کے لیے زیادہ ذہن نشین کرنے کے لیے نئے زمانے کی ضرورتوں کے پیش نظر، یہ یہ رنگ اختیار کیے جائیں، اس طرح یہ بات پیش کی جائے۔

اس لحاظ سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے سارے عالم کی جماعتوں کو ضرورت ہے افریقہ کو ہی نہیں اور پوری کوشش کرنی چاہئے کہ گزشتہ جو خطبات کا سلسلہ ہے وہ اگلے سال کے شروع ہونے سے پہلے جماعتوں تک پہنچ جائے، کیسٹ ضروری نہیں ہیں اگر چہ کیسٹس کے ذریعے آواز کا ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس میں زیادہ محبت کے جذبات اُبھرتے ہیں اور انسانی ذہن زیادہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے مگر آواز ضروری نہیں ہے اور ہر شخص کے بس میں بھی نہیں ہے کہ کیسٹس کو ہی سنتا رہے۔ اس لیے تحریر میں بھی آنے چاہئیں۔ دنیا کی تمام ایسی زبانوں میں جہاں احمدی اُن

زبانوں کے سوا دوسری زبان نہیں سمجھ سکتا تر جمے ہونے چاہئیں اوران تک بات پہنچنی چاہئے ۔اُس سے ایک عالمی وحدت پیدا ہوگی اورایک جیسا کردار پیدا ہوگا ہر جگہ۔

اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے کہ افریقہ میں ایک اور کام کی بھی ضرورت ہے اور باقی جماعتوں کو بھی اس لحاظ سے متنبہ رہنا چاہئے ۔مختلف قوموں میں بعض معاشرے انہوں نے ورثے میں پائے ہیں۔ اُن معاشروں کی اصلاح کے لیے بعض دفعہ فوری اقدامات کی ضرورت پڑتی ہے،بعض دفعہ حکمت کے ساتھ رفتہ رفتہ اُن کو پیار سے ایک نئی طرز معاشرت کی طرف لے جانا پڑتا ہے۔افریقہ میں گزشتہ مبلغین نے بڑی محنت کی ہے اور بڑی عظیم الشان قربانیاں دی ہیں اُن کے نیک اثرات ہر جگہ موجود ہیں۔جس طرح چلنے والا نقش پا پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ نقوش پا چھوڑ آئے ہیں اور ہر جگہ جاکر مجھے اندازہ ہو جاتا تھا کہ کونسا سلسلے کا مبلغ خواہ وہ پچاس سال پہلے آیا تھا کیا کیا خوبیاں پیدا کر گیا ہے اور اُس کے برعکس بعض دفعہ تکلیف کے ساتھ یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ کون کون سے خلاء پیچھے چھوڑ گیا ہے اوراُن کی طرف توجہ کرنے کی توفیق ملتی رہی۔اُس سے مجھے یہ خیال آیا کہ ساری دنیا کی جماعتوں کواس بارے میں متنبہ کرنا چاہئے کہ معاشرے اگر چہ مختلف ہیں دنیا کے لحاظ سے مگر جہاں جہاں معاشرہ دین کے ساتھ ایسے مل جاتا ہے بعض ایسی جگہیں ہیں جہاں معاشرہ اور دین دونوں مل جاتے ہیں اُس حصے کو ہم اسلامی معاشرہ کہیں گے اور وہاں غیر معاشرے کو رد کرنا ضروری ہے۔بعض معاشرے کے ایسے پہلو ہیں جن کے دین کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔معصوم بعض باتیں ہیں،قوموں میں رواج ہیں تو چلنے دیں اُن کو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جہاں کسی قوم کا معاشرہ دین کی حدود میں دخل دے وہاں اُس معاشرے کے رنگ بدلنے ہوں گے اور دین کا رنگ اُن پر غالب کرنا ہوگا۔اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے کہ وہاں بعض خلاء محسوس ہوئے اور بعض جگہ ضرورت سے زیادہ سختی اختیار کی گئی ہے بعض چیزوں میں۔اس لیے وہاں عجیب قسم کی کھچڑی نظر آئی ہے۔بعض خوبیاں جو رفتہ رفتہ پیدا کرنی چاہئے تھیں ان سے کچھ غفلت ہوئی اور بعض باتوں میں حد سے زیادہ تشدد اختیار کیا گیا ہے۔گویا کہ وہاں کی جماعت اور ہے اور باہر دنیا کی جماعت اور ہے وہاں کا اسلام اور ہے اور باہر کا اسلام اور ہے۔شرعی امور میں جو چیزیں منع ہیں وہ ہر جگہ برابر منع ہیں۔ جن چیزوں کی اجازت ہے اُن کی ہر جگہ برابر اجازت ہے۔جو مکروہات ہیں وہ ہر جگہ مکروہ رہیں گی

اُن کو حرام نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن افریقہ میں جا کے میں نے دیکھا ہے بعض ایسی چیزیں جو حرام نہیں تھیں مکروہ تھیں اُن کو حرام قرار دے دیا گیا اور بعض عادتیں جو بد ہیں جن کی اصلاح کی طرف توجہ ہونی چاہئے تھی اُن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور بعض جگہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت سے امور میں کوشش ہو رہی ہے اور تبدیلی ایسی ہے جو اچانک پیدا ہو نہیں سکتی۔ مثلاً پردہ ہے وہاں بعض علاقوں میں عورتیں بالکل ننگی پھرتی ہیں ان کے اندر وہ احساس ہی نہیں ہے شرم کا نہ معاشرہ اُس کو بری بات سمجھتا ہے اور مرد عورت کے خلاء کے معاملے میں بہت ہی زیادہ بے احتیاطیں ہیں اور روایتیں ایسی ہیں جو اسلام کے لحاظ سے نا قابل قبول ہیں۔ اُن امور میں مبلغین نے محنت کر کے احمدی عورتوں کی حالت کافی بدلی ہے جن کو آپ ویڈیو میں آپ اُن کے حالات دیکھیں گے وہ عورتیں کس طرح آ رہی ہیں، جلسوں میں شریک ہو رہی ہیں، استقبال میں کھڑی ہیں یا ادھر اُدھر تو بعض احمدیوں کے دل میں خیال آئے گا کہ اچھا یہ پردہ ہے ان عورتوں کو کس نے اجازت دی تھی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جس دن لوگوں سے وہ نکل کے آئیں ہیں اُن کے مقابل پر تو زمین و آسمان کا فرق اُن میں پڑ چکا ہے۔ وہ ساری احمدی عورتیں غیر احمدی عورتیں بھی بیچ میں ہوتی تھیں، عیسائی بھی ہوتی تھیں اس لیے جہاں آپ کو نمایاں ننگ نظر آئے گا یا پردے کے لحاظ سے بالکل بے احتیاطی دکھائی دے گی وہاں یقین کریں کہ وہ احمدی عورتیں نہیں ہیں۔ احمدی عورتوں میں اُن کا لباس ڈھکا ہوا ہے سارا کوئی ننگ ان میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا سب نے سروں پر چادریں اوڑھی ہوں گی اور سفید لباس ہو یا دوسرا لباس ہوا تنا نمایاں فرق ہے گویا کہ دو مختلف قومیں ہیں باقی افریقہ اور قوم سے تعلق رکھتا ہے اور احمدی افریقہ اور قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ جبکہ باقی دوسرے مسلمانوں میں وہ تہذیب نہیں آئی تو یہ سارے ہمارے معلمین کی محنت کا پھل ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے قبول فرمایا اور بہت ہی نمایاں پاکیزہ تبدیلیاں پیدا ہوئیں ہیں لیکن ابھی اس رستے پر سفر کرنا باقی ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ منزل آخری پہنچ گئی ہے اُن کی لیکن کوئی باہر کا آدمی ان کو دیکھے اور سمجھے کہ وہاں کام ہی کچھ نہیں ہوا تو یہ اس کی بڑی سخت غلط فہمی ہوگی۔ جا کے آپ باقی افریقہ کو دیکھیں تب آپ کو پتا چلے گا کہ کتنا کام ہوا ہے اور اس سے زیادہ تیز کام کرنا ممکن ہی نہیں تھا نہ ابھی ممکن ہے کیونکہ وہاں کا جو معاشرہ ہے، وہاں کے اقتصادی نظام اُس میں عورت کو اتنا کام کرنا پڑتا ہے باہر آ کر کہ ہرگز اسلام کا یہ تقاضا نہیں ہوسکتا کہ وہ عورت کو دھکیل کر کمروں میں بند کر

دو اور روزمرہ کی جائز ضروریات سے محروم کر دو لیکن ہماری قوم میں یعنی ہماری قوم سے مراد ہے پاکستانیوں میں خصوصاً اور ہندوستانیوں میں بھی کچھ نظر کی تنگی پائی جاتی ہے۔ بعض لوگ بالکل آزاد ہو جاتے ہیں۔ بعض بڑی دقیانوسی رہتے ہیں اور دوسرے کی ایک ذراسی کمزوری کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتے اپنے اندر خواہ کتنی بھی کمزوریاں ہوں تو افریقہ کو ان کی تنقید سے بچانے کی خاطر میں یہ بات سمجھا رہا ہوں۔ اس تنقید میں زبان جلدی نہ کھولیں اُن عورتوں کی بڑی عظیم الشان قربانیاں ہیں، حیرت انگیز پاکیزہ تبدیلیاں ہیں۔ وہاں کے معاشرے میں جو جنسیات کا تصور ہے آپ لوگ یہاں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اُس کے باوجود ان احمدی خواتین نے جو پاک تبدیلیاں پیدا کیں ہیں وہ ان کے چہرے بشرے سے ظاہر ہے وہ نیک اور صاحب عصمت عورتیں ہیں۔ اس لیے اُن کو باہر دیکھتے ہوئے یا کبھی وہ استقبال میں جوش میں آکر بالکل بے قابو ہو جاتی ہیں اور نعرہ ہائے تکبیر مردوں سے بھی زیادہ جوش میں بلند کرتی ہیں تو باہر سے بیٹھا کوئی مولوی کہے گا کہ لو جی یہ دیکھ لو یہ کیسا پردہ ہے اتنے زبردست نعرے لگا رہی ہیں۔ نعرہ ہائے تکبیر میں تو کوئی نقصان نہیں ہے اگر ہمارے معاشرے میں یہ بات نہیں تھی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ باہر اگر کوئی عورت نعرہ ہائے تکبیر بلند کرے یا دین کی محبت میں بے قابو ہو جائے تو اس کو آپ نعوذ باللہ بے حیا سمجھیں یا بے پردہ سمجھیں ہر گز ایسی بات نہیں ہے۔ بہت اُن میں نیکی ہے، بہت خلوص ہے اور اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ سلسلے کے گزشتہ مبلغین نے ۷۰، ۸۰ سال سے جو خدمت سر انجام دی ہے یہ سب سے بڑا اُن کا کارنامہ ہے کہ افریقہ کی عورت کی حالت بدلی ہے انہوں نے۔ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اس میں شک نہیں لیکن جو کیا ہے وہ ہر گز نظر انداز کرنے کے لائق نہیں ہے۔ بہت ہی عظیم الشان پاک تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں جبکہ عیسائیت نے تعداد جیتی ہے، نفوس حاصل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن نفوس کو پاکیزہ بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اتنا گند ہے عیسائی معاشرے میں وہاں تعجب ہے کہ عیسائیت اُس پر راضی کس طرح رہی۔ اس قسم کے خوفناک جرائم ہیں ان کی سوسائٹیوں میں قدیم سے چلے آنے والے کہ کوئی مذہب بھی اگر وہ سچا ہو اور تقویٰ کے ساتھ خدا کے بندوں میں پاک تبدیلی پید کرنا چاہتا ہو اُن جرائم کو برداشت نہیں کر سکتا یا وہ اُن کو چھوڑنے پر مجبور کرے گا یا اُن کو کہے گا کہ تم ہمارے مذہب میں شامل نہیں ہو سکتے۔ لیکن عیسائیت نے تعداد کی خاطر چونکہ وہ Colonization کے تابع پاکیزہ تبدیلی

کی بجائے نفوس میں دلچسپی رکھتے تھے، تعداد میں دلچسپی رکھتے تھے، اُن کے ہر عیب کو اُسی طرح قبول کیا کوئی اُس میں دخل نہیں دیا۔ چنانچہ آپ حیران ہوں گے یہ سن کے کہ اسی افریقہ میں جو بظاہر آج کی دنیا کا افریقہ ہے آج سے پانچ ہزار سال پہلے کی وہ شدید ظالمانہ روایات موجود ہیں۔ جن کو آپ فراعین مصر یا اُس سے پہلے کے زمانوں کے بادشاہوں کے ساتھ منسوب سمجھا کرتے تھے آج بھی موجود ہیں۔ مثلاً عیسائی افریقہ میں پیگنوں میں تو ہے ہی، عیسائی افریقہ کی میں بات کر رہا ہوں اُن میں بڑے بڑے اُن کے لیڈر ہیں، وہ پیراماؤنٹ چیفس ہیں جو عیسائیت کے سپوت سمجھے جاتے ہیں وہاں، اُن کا سارا علاقہ اُن کے تابع ہے، چرچ بھی جاتے ہیں لیکن حالت یہ ہے کہ جب ایک چیف مرتا ہے تو اس کے پیروکار سینکڑوں لوگوں کے سر جدا کر دیتے ہیں تن سے تاکہ چیف کے ساتھ دفن کریں اور یہ جہالت ہے کہ اگر چیف جائے گا اگلی دنیا میں تو اکیلا تو نہیں جانا چاہئے اُس کو، چیف کا کیا فائدہ اگر وہ اکیلا چلا جائے۔ اُس کے خدمت گار ہونے چاہئیں اُس کے ساتھ ایک پورا قافلہ ہونا چاہئے۔ جتنا بڑا چیف اتنے زیادہ سروں کی ضرورت پڑتی ہے اور آج کل کی دنیا میں ہو رہا ہے اور حکومتیں جانتی ہیں لیکن بے بس ہیں اور بالکل دخل نہیں دیتیں۔ بعض حکومتوں نے آواز بلند کرنی شروع کی ہے اس کے خلاف لیکن صرف نصیحت کی حد تک ہے قانون بنے ہوئے ہیں لیکن اس لحاظ سے نہیں کہ اُن پر عمل درآمد ہو۔ جن علاقوں میں یہ رسمیں جاری ہیں آج بھی جاری ہیں بلکہ ایک واقعہ تو مجھے وہاں خدام نے بڑا دلچسپ یہ سنایا۔ دلچسپ بھی اور افسوسناک بھی کہ ایک بڑا چیف مرا، اوّل تو چیف کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو شہر خالی ہونا شروع ہو جاتے ہیں لیکن وہ لوگ بھی بڑی ہوشیاری سے اس کو دباتے ہیں واقعہ کو اور چھپائے رکھتے ہیں کہ چیف کی موت کا نہ پتا لگے کسی کو۔ مگر خبریں نکل ہی جاتی ہیں لوگ بھاگنا شروع ہو جاتے ہیں بہر حال ایک جگہ چیف جب مرا تو سینکڑوں آدمی نکل کھڑے ہوئے۔ اُن کے خاص آدمی مقرر ہوتے ہیں بڑی بڑی انہوں نے تلواریں ہاتھ میں پکڑی ہوتی ہیں خاص قسم کی تلواریں چوڑے پھل والی، جس کو بنگلہ دیش میں داؤ کہتے ہیں، تو جگہ جگہ چھپ کے کھڑے ہو جاتے ہیں کوئی مسافر ملے بچہ، بڑا، عورت، مرد اُن کو سر چاہئے وہ ایک ہی وار میں سر جدا کر کے تو سر لے کے تن وہیں چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں اور پھر وہ اُن قبروں میں چیف کے ساتھ دفن کرنے کے لیے وہاں پیش کر دیتے ہیں۔ ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے وہ دفن ہوتے ہیں مجال

نہیں حکومت کی کہ اُن معاملات میں دخل دے سکے۔ تو خدام چونکہ جماعت احمدیہ کی طرف سے اللہ کے فضل سے بہت Active ہیں۔ وہاں انہوں نے ٹولیاں بنائیں تا کہ اس ظلم کے خلاف لوگوں کو بچائیں اور دیکھیں کوئی شرارت کر رہا ہے تو اسے روکیں۔ تو بڑی دلیری کے ساتھ ٹولیاں بنا کہ شہر میں پھر رہے تھے تو پتا لگا ایک اُن میں سے ایک نیا ہوا احمدی بھی ایک داؤ لے کے کھڑا تھا کہیں چھپ کے لوگوں کو مارنے کے لیے۔ انھوں نے اُس سے کہا تم احمدی ہو کہ یہ حرکت کر رہے ہو۔ وہ بیچارا اتنا نیا نیا غیر تربیت یافتہ تھا کہ وہ اس کو جرم سمجھ ہی نہیں رہا تھا۔ اُن سے بحث کر رہا تھا کہ اس میں کیا ہے یہ تو ضروری ہے رسم ہے ایک۔ چنانچہ انھوں نے زبردستی اُس کو پکڑ کے قید کر دیا اور جب تک وہ چیف دفن نہیں ہو گیا تھا سر کٹنے بند نہیں ہو گئے اُس کو نہیں چھوڑا انھوں نے۔ تو اس قدر جہالت کی باتیں موجود ہیں اور عیسائیت نے اُسے پوری طرح اُس سے بے پروائی کی ہے۔

اس لیے کہ ان کو تو روحوں کی آزادی کے بجائے روحوں کی غلامی پیش نظر تھی۔ وہ تو چاہتے تھے کہ Colonializm کے تابع ان کو ہر لحاظ سے جکڑ دیا جائے اور اس کی طرف کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ اُن کا کردار کیا رہتا ہے۔ اُن کے اندر بے حیائی بڑھتی ہے یا کم ہوتی ہے۔ اس پہلو سے جب میں نے مزید جائزہ لیا تو یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ موجودہ دور میں اُن کی اکثر جنسی بے راہ روی پرانے افریقہ کی روایت نہیں ہے بلکہ عیسائی جو Colonializm کے ساتھ عیسائیت گئی تھی اور مغربی تہذیب گئی تھی اُس کا ورثہ ہے۔ انھوں نے وہاں آزادی کے نام پر بے حیائی پیدا کی حالانکہ پرانے افریقہ میں اپنی لڑکیوں کی عصمت کی حفاظت کی طرف غیر معمولی توجہ دی جایا کرتی تھی۔ آپ پرانے افریقہ کی تاریخ پڑھیں میں نے بعض اُن کے اپنے افریقن سکالرز کی کتابیں پڑھی ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں جو بعض بد رسمیں عورت کے ختنے کی اس قسم کی جاری ہوئیں اُس کے پیش نظر یہ بات تھی کہ عورت کی عصمت کی حفاظت ہو اور اس معاملے میں بڑی غیرت رکھتے تھے۔ لیکن مغربی تہذیب جو عیسائیت کے ساتھ ساتھ وہاں پہنچی ہے اُس نے وہاں عیسائیت کے نام پر ایک آزادی دی اور اُس آزادی کے ساتھ جنسی آزادی کا بھی اعلان ہو گیا گویا جو مرضی کر و کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ اکثر بے حیائیاں اُن کو مغربی تہذیب نے عطا کی ہوئی ہیں لیکن احمدی اللہ کے فضل سے اس کے مقابل پر بڑی جدّ و جہد کر رہے ہیں۔ میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے ابھی بہت ہی محنت کی اور ضرورت

ہے اور ہمارے مبلغین کو چاہئے کہ بچپن سے عصمت کی حفاظت اور عصمت کی جو خدا تعالیٰ نے ایک صفت عطا کی ہے عورت کو اُس کی عظمت دلوں میں پیدا کرنے کے لیے وہاں کوشش کریں اور یہی مضمون بعض دنیا کی باہر کی آبادیوں پر بھی اطلاق پاتا ہے۔ انکی بے حیائی ہر جگہ پھیل رہی ہے یورپ میں کم تو نہیں بے حیائی اب اور بلکہ دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے۔ ہمارے بھی بچے بچیاں غیر معاشرے میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، ان کے خیالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے افریقہ سے بات میں نے حاصل کی لیکن وہ اطلاق دنیا میں ہر جگہ پا رہی ہے۔ خود ہندوستان اور پاکستان میں معاشرہ بڑی تیزی سے تباہ ہورہا ہے تو جیسا کہ وہاں ہمیں ضرورت ان برائیوں کے خلاف علم جہاد بلند کریں، باقی دنیا میں بھی اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ جو آپ افریقہ میں دیکھ رہے ہیں وہ اس لیے وہاں زیادہ نظر آتا ہے کہ وہ لوگ بہت سادہ فطرت کے لوگ ہیں اپنی بدی کو چھپانا جانتے ہی نہیں بالکل کھلم کھلا وہ بے تکلفی سے بیان کرتے ہیں۔ خطوں میں بھی بعض دفعہ مجھ سے بات کرتے ہیں تب تو حیرت ہوتی ہے دیکھ کر کس طرح سادگی کے ساتھ، صاف گوئی کے ساتھ وہ اپنی باتیں بیان کرتے ہیں۔ باقی دنیا میں کہیں تہذیب کے نام پر، کہیں کچھ اور روایتیں ایسی چل پڑی ہیں جن کی وجہ سے بہت زیادہ اپنی حالت پر پردہ ڈالنے کی عادت ہے۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ اپنی برائیوں کو خود بیان نہ کرو اس میں کوئی شک نہیں لیکن جب حد سے زیادہ یہ بات پیدا ہو جائے تو پھر وہ منافقت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے یہ خرابیاں دنیا میں ہر جگہ ہیں یہ خیال کر لینا کہ صرف افریقہ میں ہیں یہ غلط فہمی ہے۔ ان کے متعلق ساری دنیا کی جماعتوں کو کوشش کرنی چاہئے اور یہ کوشش جوانی کے بعد ممکن نہیں ہو گی۔ جب بچے آپ کے جوان ہو جائیں پھر آپ ہزار کوشش کریں بعض دفعہ وہ آپ کے ہاتھ سے نکل چکے ہوتے ہیں پھر وہ آپ کی بات نہیں سنیں گے۔ اُس وقت تو اپنے جذبات میں مغلوب ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر آپ بچپن سے ایک تربیت کا پروگرام بنائیں اور بچپن سے اُن کو بتائیں کہ یہ سب گند ہے، بے معنی چیزیں ہیں، آخر کار انسان کی روح کو تباہ کرنے والی ہیں، اللہ تعالیٰ سے محبت میں کمی پیدا کرنے والی ہیں۔ ماں باپ اگر بچپن سے تربیت کریں تو وہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو اپنے گرد خود وہ فصیل کھڑی کر لیتے ہیں جس کے ساتھ وہ ہمیشہ معاشرے کے مقابل پر محفوظ رہتے ہیں۔ ورنہ ماں باپ کے لیے یا مبلغین کے لیے ممکن ہی نہیں ہے کہ ہر دفعہ جوان لڑکوں کے ساتھ یا لڑکیوں کے

ساتھ پھریں اور اُن کو ہر وقت برائی سے روکیں۔ اس لئے یہ عمر ہے بچپن کی جس میں آپ کو ابھی سے کام کرنا چاہئے۔

امریکہ میں بھی میں نے جیسا کہ پہلے بھی ایک دفعہ بیان کیا بہت زیادہ برائی ہے بلکہ وہ افریقہ کو بھی برائی ایکسپورٹ کر رہا ہے کثرت کے ساتھ۔ بے حیائی کے اڈے وہاں کی فلم انڈسٹری میں بنے ہوئے ہیں اور ساری دنیا میں جو گندی فلمیں اور جرائم کی فلمیں جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اور گندی عادتیں Drugs وغیرہ کی افریقہ کو بھی اس وقت اس کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ یورپ میں بکثرت یہ رجحان بڑھ رہے ہیں تو ساری دنیا میں یہ جماعتوں کو معلوم کرنا چاہئے یعنی یہ اچھی طرح زیر نظر رکھنا چاہئے اور ذہن نشین کرنا چاہئے کہ بڑے ہونے کے بعد آپ کے ہاتھ سے بچے نکل چکے ہوں گے پھر بہت ہی مشکل کام ہے ان کو سنبھالنا۔ بچپن میں اُن پر توجہ دیں اور اگر آپ نہیں دیں گے تو پھر بعد میں جب شکایت کریں گے اور ہمارے پاس آئیں گے کہ ان کا کچھ کرو تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کوئی تبدیلی پیدا کر دے تو کر دے مگر بالعموم ایسے بچوں کو پھر سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ امریکہ میں میں نے دیکھا ہے بعض احمدی جو اچھی تربیت کر رہے ہیں اُن کے بچے اس قدر مضبوط دیواریں بن جاتے ہیں اسلامی اقدار کے لحاظ سے کہ کوئی اُن کے اندر نقب زنی نہیں کرسکتا، کوئی اُن کے اندر نفوذ نہیں کرسکتا بلکہ وہ جب جاتے ہیں سکولوں میں نمایاں طور پر وہ اسلام کے علمبردار بنے رہتے ہیں حالانکہ چھوٹی عمر سے انھوں نے یہ سیکھا ہوا ہے۔ تو آپ بھی چھوٹی عمر میں یہاں بھی سکھائیں دنیا میں جہاں جہاں احمدیوں تک آواز پہنچے وہ بچپن کی طرف بہت توجہ دیں ورنہ بہت ہی مشکلات ہیں ہمارے لئے۔ یورپ میں تو خصوصیت کے ساتھ میں نے دیکھا ہے دن بدن مصیبتیں بڑھ رہی ہیں جماعت کے اسلامی اقدار کو خطرات زیادہ سے زیادہ بڑھتے جا رہے ہیں اور یورپ پہ ہی منحصر نہیں ماریشس آپ چلے جائیں وہاں بھی یہ حال ہے، فجی آئی لینڈ چلے جائیں وہاں بھی یہ حال ہے۔ ایسی گندی تہذیب ہے اور اتنی دور وار کرنے والی تہذیب ہے کہ دنیا کا کوئی کونہ نہیں چھوڑا انہوں نے جہاں انہوں نے باقاعدہ منظّم طریق پہ معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے کوششیں نہیں کیں۔ اسی لئے رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دجال کا اثر دنیا میں ہر شخص تک پہنچ جائے گا اور جو اُس سے مغلوب نہیں ہوگا اُس کو دھواں تو دجال کا ضرور پھر بھی ملے گا۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی کونہ دنیا کا ایسا نہیں رہے گا۔ جہاں اس بدتہذیب کے اثرات کسی نہ کسی رنگ میں نہ پہنچے ہوں۔ چونکہ دجال کو قتل کرنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد ہے اور پیش گوئیوں میں ہمیشہ سے یہی مقدر تھا۔ اس لیے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اکیلے کے سپرد ہے۔ آپ سب کے، ہم سب کے سپرد ہے۔ اس لیے مغربی معاشرے کے خلاف ہمیں ایک عالمی جہاد کرنا چاہئے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بچپن سے ہوگا، بچپن کے بعد Late ہو جاتے ہیں آپ بہت سے بچے میں نے ضائع ہوتے دیکھے ہیں۔ جہاں بچے بڑے ہو جائیں وہاں اُن کو پھر کم سے کم اتنا تو کریں کہ ان کو خدام الاحمدیہ کے سپرد کریں اور بچیاں ہیں تو اُن کو لجنہ کے سپرد کریں۔ جو ماں باپ اپنے بچوں کو جماعت کی تنظیموں کے سپرد کر دیں اُن کے لئے بھی پھر امکان رہتا ہے کہ وہ بچے بچ جائیں گے لیکن جو نہ خود تربیت کرتے ہیں نہ اُن کو تنظیموں کا مطیع بناتے ہیں۔ نہ تنظیموں سے اُن کی وابستگی پیدا کرتے ہیں بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارے بچے تو تنظیموں سے بالا ہیں، کوئی ضرورت نہیں خدام الاحمدیہ کا یہ قائد پتا نہیں کیا حیثیت رکھتا ہے، زعیم کیسا ہے، فضول اجلاس ہیں، وقت ضائع ہوتا ہے۔ بچے تعلیم کیوں نہ حاصل کریں، پی ٹی کیوں نہ کھیلیں فلاں بات میں کیوں نہ مغز ماری کریں جس سے ان کا مستقبل بن سکے۔ اس قسم کے خیالات کہیں یا نہ کہیں میں جانتا ہوں انسانی فطرت میں پیدا ہوتے رہتے ہیں تو جو بڑے ہو کر بچانے کا زمانہ ہے اُس سے بھی وہ غفلت کر جاتے ہیں۔ اس لیے میں امید رکھتا ہوں کہ ساری دنیا میں جماعتیں ان دونوں امور کی طرف متوجہ ہوں گی اور افریقہ میں خصوصیت کے ساتھ جیسا کہ میں دیکھ کے آیا ہوں خدام الاحمدیہ اللہ کے فضل سے ان معاملوں میں بڑی مستعد ہو چکی ہے اور اس سے پہلے دور میں خدام الاحمدیہ نے ایسا کردار ادا نہیں کیا تھا جو اب کر رہی ہے اور ایسے اچھے مستعد خدام ہیں اُن کے متعلق پھر انشاء اللہ میں ذکر کروں گا۔ تو میں امید رکھتا ہوں کہ افریقہ کے حالات تو اب جلد جلد بدلیں گے، ساری دنیا کی جماعتوں کو چاہئے کہ اپنے لیے بھی جہاں دعائیں کرتے ہیں۔ خصوصیت سے افریقہ کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ میرا دل جانے سے پہلے بھی اس یقین سے بھرا ہوا تھا لیکن اب تو بہت ہی زیادہ میں اس معاملے میں پورا مستحکم یقین رکھتا ہوں کہ دنیا کی تقدیر کا فیصلہ اسلام کے مقابل پر ہار جیت کا فیصلہ یقیناً اسلام کی جیت ہوگی افریقہ میں ہو گا۔ افریقہ میں وہ پہلا انقلاب برپا ہوگا جس کے نتیجے میں دنیا اسلام کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو

جائے گی۔اس لیے دنیا کی ساری جماعتوں کو خصوصیت سے افریقہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہئے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا:

سفر کے دوران بہت سے ایسے احباب فوت ہوئے یا خواتین فوت ہوئیں جن کے بزرگوں اور تعلق رکھنے والوں نے نماز جنازہ غائب کی درخواست کی تھی لیکن سفر کے دوران وہ وقت پر پہنچی نہیں درخواستیں۔اب یہ ایک فہرست ہے ۱۶ مرحومین کی جن کی نماز جنازہ غائب نماز عصر کی نماز کے معاً بعد ہوگی۔قمر الحق صاحب ابن شیخ نور الحق صاحب بجلی کے پول سے کرنٹ لگنے کے نتیجے میں ۲۲ سال کی عمر میں موقع پر وفات پاگئے۔یہ ربوہ کے ہیں نور الحق صاحب کافی معروف آدمی ہیں۔مکرم عبداللطیف صاحب ظہور مرحوم موصی تھے لاہور میں وفات ہوئی۔مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم محمد صبغۃ اللہ آف بنگلور۔محمد صبغۃ اللہ صاحب خدا کے فضل سے بہت ہی فدائی احمدی بارہا کئی مہینے تک وقف کیلئے لندن تشریف لاتے رہے اور بہت انہوں نے محنت سے کام کیا ہے یہاں آکر آنریری ورکرز میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہے ان کی اہلیہ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں وفات پاگئیں ہیں۔بنگلور سے اپنے خرچ پر آتے رہے ہیں ہر سال آکر مسلسل دو چار مہینے ٹھہر کے خدمت دین کر کے واپس چلے جاتے رہے کچھ نہیں دیکھا اور انگلستان کا صرف آئے اور لندن کی مسجد میں بیٹھے کام کیا، واپس چلے گئے۔مکرم چوہدری اسماعیل صاحب چک نمبر ۴۵ مرڑ ضلع شیخوپورہ۔مکرم ستار محمد صاحب میرا بھڑ کا آزاد کشمیر ہمارے مبلغ سلسلہ فضل احمد شاہد رکن شعبہ تاریخ کے والد تھے۔مکرمہ سلیمہ بیگم صاحبہ آف کلاس والا، مکرمہ ممتاز بیگم آف شکاگو، مکرمہ راجہ غلام مرتضیٰ نصیرہ، مکرم چوہدری عبداللہ خان صاحب واہلہ چک ۴۵ جنوبی، مکرمہ رفیعہ بیگم اہلیہ محمد یوسف بھٹی صاحب عبداللہ پور فیصل آباد، مکرمہ طیفاں بی بی صاحبہ اہلیہ محترم برکت اللہ صاحب یہ مرحومہ نعیم الدین صاحب اسیر راہ مولیٰ کی پھوپھی تھیں، مکرمہ رضیہ بیگم صاحبہ اہلیہ مرزا یعقوب بیگ مرحوم جلنگھم، مرزا اسلم بیگ صاحب کی والدہ مکرمہ فاطمہ بیگم صاحبہ، مکرم محمد نواز صاحب معلم وقف جدید کی خوشدامن، مکرم منظور احمد صاحب شکرانی بستی شکرانی بہاولپور، مکرمہ امۃ الحمید غنی صاحبہ یہ ہمارے پروفیسر عبدالرشید غنی صاحب کی صاحبزادی بالکل جوانی میں بچے کی پیدائش کے سلسلہ میں آپریشن ہوا اس وقت وفات پاگئیں۔بشریٰ خانم صاحبہ بنت چوہدری یوسف علی صاحب دار الرحمت شرقی۔ان سب کی نماز جنازہ غائب عصر کی نماز کے معاً بعد ہوگی۔